اقوال زریں

جالینوس

- ☐ عزت اور بزرگی کا ہر شخص طالب ہے، مگر اسے حاصل کرنے کی رغبت کم ہی لوگ رکھتے ہیں۔
- ☐ عقل مند وہ شخص ہے کہ اپنی زبان کو دوسروں کی مذمت سے بچائے رکھے۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA HYDERABAD

ایک جج کا اصلی چہرہ

2014 کے بعد سے ہندوستان کا صرف سیاسی مزاج نہیں بدلا ہے بلکہ پورا معاشرہ تل پٹ ہوگیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سماجی ہم آہنگی اور بھائی چارہ کا مکمل خاتمہ ہوگیا ہو۔ معروف سماجی اقدار کو قدامت پسندی کہا جانے لگا ہے، اخلاقی اقدار میں بھی انقلابی تبدیلی آئی ہے۔ انسان کی شناخت اس کے مزاج اور کردار کے بجائے اس کے کپڑوں سے کی جانے لگی ہے۔ جمہوری رسم و رواج اور سیکولر تانا بانا بھی بکھر رہا ہے۔ آئینی عہدوں پر فروکش اصحاب بست وکشاد کھلے عام آئین کو اپنے پاؤں تلے روندر ہے ہیں۔ حکمرانوں کی بات تو الگ رہی ہے، زعم حکمرانی اور نشہ اقتدار میں مست و بدحال انہیں تو آئین کا کوئی پاس ہی نہیں رہا ہے۔ وہ اس خودفریبی کے شکار ہیں کہ ان کا اقتدار فانی نہیں طولانی ہے جو ان کی زندگی کی آخری سانس تک جاری رہے گا، اس لیے وہ نوشتہ دیوار دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کرتے۔ مگر حیرت تو اب یہ آن پڑی ہے کہ آئین کی بالادستی کی علامت سمجھنے والے عبا پوش بھی خم ٹھونک کر اس حمام میں اتر آئے ہیں۔ آئین کی حرمت کا پاس نہ وقار کا لحاظ ہی ان کے پاؤں کی زنجیر بن پاتا ہے اور نہ اخلاقی اقدار ہی ان کے حوصلوں کو لگام لگا پاتی ہیں۔ آئین کی سربلندی کا حلف اٹھانے والے گرامی قدر منصفان عظام آئین سے متصادم نظریاتی وابستگی کا اظہار ہی نہیں بلکہ برملا اعلان بھی کرنے لگے ہیں۔ اسی طرح کا ایک اعلان چند یوم پہلے اپنے اعزاز میں دیے جانے والے ایک استقبالیہ میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج جسٹس چترنجن داس نے کیا۔ منصف والا شان نے فرمایا کہ آج انہیں اپنی اصلی شکل دکھانی ہے۔ وہ ایک تنظیم کے بہت مشکور ہیں۔ وہ بچپن سے جوانی تک وہاں رہے ہیں۔ اپنی جوانی کے دوران انہوں نے بہادر اور ایماندار ہونا سیکھا ہے۔ دوسروں کے ساتھ مساوی رویہ رکھنا سیکھا ہے اور سب سے بڑھ کر حب الوطنی کا جذبہ اور کام کرنے کے عزم کو سیکھا ہے، چاہے آپ کہیں بھی کام کریں۔ کچھ لوگوں کو یہ پسند نہیں آئے گا۔ اس کے باوجود انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کارکن تھے اور ہیں۔ سنگھ کے اعجاز نظر کا ہی کرشمہ ہے کہ ان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل ہوئی، ان کے اندر ہمت، حوصلہ، حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوا۔

یہ تقریب ان کی سبکدوشی کے موقع پر کولکاتا میں گزشتہ 20 مئی پیر کے روز بپا کی گئی تھی جس میں مختلف محکموں اور وزارتوں کے حکام اور نظام عدل و انصاف سے وابستہ معزز ہستیاں موجود تھیں۔ اپنے فرمودات عالیہ سے سبھی کو بہرہ مند کرتے ہوئے انہوں نے انصاف کے اصولوں کی بھی عقدہ کشائی کی۔ موصوف نے فرمایا کہ وہ دو اصولوں پر انصاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پہلا ہمدردی، دوسرا یہ کہ انصاف کرنے کیلئے قانون کو توڑا جا سکتا ہے، لیکن قانون کے مطابق انصاف کو نہیں توڑا جا سکتا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی غلط کام نہیں کیا، اسی لیے انہیں یہ کہنے کی ہمت ملی کہ وہ ایک تنظیم سے وابستہ ہیں، کیونکہ اگر وہ اچھے انسان ہیں تو کسی بری تنظیم میں شامل نہیں ہو سکتے۔

آئین و جمہور کے پاسداروں کیلئے ان کا یہ 'پرمغز خطاب' وجہ اضطراب بنا، سوالات اٹھے، جس کے بعد موصوف نے کل بدھ کے روز وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اپنے بیان پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ وہ الوداعی خطاب تھا جس میں وہ سبھی کا شکریہ ادا کر رہے تھے، سنگھ ان کی جڑ ہے، اس کے تئیں اظہار تشکر میں انہیں کوئی عار نہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ بحیثیت جج اپنے 14 برسوں کی مدت کار میں انہوں نے کسی سے کوئی تعصب برتا ہے بلکہ انہوں نے ہر فرد و بشر کو مساوی حیثیت دی ہے۔

ایک فرد، ایک شہری کی حیثیت سے چترنجن داس کی نظریاتی اور سیاسی وابستگی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ انہیں آئین اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ آزادی افکار و اظہار پر مکمل عمل پیرا رہیں۔ لیکن آئین کی سربلندی کا حلف اٹھانے والے جج صاحب کی نظریاتی وابستگی آئین سے متصادم کسی ادارہ یا تنظیم سے ہو اور وہ اس کا فخریہ اعلان کرتے ہوئے اظہار تشکر بھی کریں تو پھر یہ قابل غور ہو جاتا ہے۔ جج صاحب نے اپنے الوداعی خطاب میں انصاف کے دو زریں اصول بیان کرتے ہوئے اس پر غور و خوض کی خود ہی دعوت بھی دے دی ہے۔

اب قاعدے کی رو سے ہونا تو یہ چاہیے کہ بحیثیت ان کے دیے گئے فیصلوں کو پرکھا جائے کہ کتنے مقدمات انہوں نے 'ہمدردی' کی بنیاد پر فیصل کیے ہیں اور کتنے مقدمات میں 'انصاف' دینے کیلئے انہوں نے 'قانون شکنی' کی ہے۔ تقاضائے وفا نبھاتے ہوئے کہیں سنگھ سے تو انہوں نے ہمدردی نہیں کی ہے یا پھر سنگھ یا اس سے وابستگان کو 'انصاف' دینے کیلئے کہیں قانون تو نہیں توڑا ہے۔ کیوں کہ حالیہ برسوں میں کلکتہ ہائی کورٹ کے کئی ایک فیصلے تنازعات کا شکار رہے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ وہ سیاسی دباؤ میں دیے گئے ہیں۔ یہ بھی زیر غور رہے کہ اسی کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک عالی مرتبت جج باقاعدہ استعفیٰ دے کر آج بھارتیہ جنتا پارٹی کے ٹکٹ پر انتخابی میدان میں داد سیاست پا رہے ہیں۔

edit2sahara@gmail.com

ہندوستان کا 18 واں پارلیمانی انتخاب اور مسلمان

عبدالماجد نظامی

روبرو

2024 کے عام انتخاب کے بیشتر مراحل پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور 4 جون تک یہ واضح بھی ہو جائے گا کہ اس کا نتیجہ کس سیاسی خیمہ کے حق میں جائے گا۔ البتہ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن جمہوریت کو بچائے رکھنے کے عمل میں ملک کے شہریوں نے جس طریقہ سے حصہ لیا ہے، اس سے اتنا اندازہ تو ضرور ہو جاتا ہے کہ ان میں اس نظام کے تحفظ کا جذبہ باقی ہے۔ حالانکہ اس انتخابی عمل میں حصہ لینے والوں کی شرح میں نسبتاً کمی آئی ہے لیکن اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں جن کے ذکر کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، لیکن اتنا کہنا تو حق بجانب ہوگا کہ جمہوری نظام حکومت میں عوام کی رائے کی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ حکومت کی تشکیل میں عوام کی شرکت کلیدی کردار نبھاتی ہے۔ عوام کی اس حق رائے دہی کا احترام کامیاب جمہوریتوں میں عموماً کیا جاتا ہے اور پالیسی سازی کے وقت عوامی نمائندگان اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں کہ انتخاب کے لیے جو منشور شائع کیا گیا تھا، اس پر عمل درآمد کیا جائے تاکہ اگلے انتخاب میں جب وہ عوام سے دوبارہ روبرو ہوں تو ان کے سامنے رپورٹ کارڈ پیش کریں اور مزید ترقی و فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہنے کا یقین دلا سکیں۔ ہندوستانی جمہوریت کے سامنے مسائل گرچہ رہے ہیں لیکن اس کو کامیاب جمہوریتوں کی فہرست میں اس لیے شمار کیا جاتا رہا ہے کیونکہ عوام کی رائے کے احترام میں یہاں حکومتیں بدلتی رہی ہیں۔ جمہوری ادارے بھی نسبتاً آزادی کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں۔ لیکن گزشتہ ایک دہائی کے اندر جو بدلاؤ ملک عزیز کی سیاست میں آیا اور تشدد پسند ہندوتو کے زیر اثر پورے ملک کے مزاج اور رویہ میں جو ناقابل یقین تبدیلیاں پیدا ہوئیں ان کے پیش نظر وثوق کے ساتھ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ ہندوستان کی جمہوریت کو آج بھی عالمی سطح پر وقار کا وہی درجہ حاصل ہے جو 2014 سے قبل کے برسوں میں حاصل تھا۔ یہ بات کسی ذاتی عناد یا ہندوتو کے نظریہ سے عدم اتفاق کی بنیاد پر نہیں کہی جا رہی ہے بلکہ اس کی پشت پر موجود قومی اور بین الاقوامی سطح کے تھنک ٹینکوں کے تجزیوں اور اس موضوع پر گہری نظر رکھنے والے سیاسی ماہرین کی ان تحریروں سے صاف واضح ہے جو وقتاً فوقتاً ملک اور بیرون ملک کے ذرائع ابلاغ میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان تمام تجزیوں اور مطالعوں میں ایک بات پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ ملک کی مسلم اقلیت کے دستوری حقوق کی حفاظت کرنے میں موجودہ سرکار نہ صرف ناکام رہی ہے بلکہ مسلم اقلیت کی مذہبی آزادی پر خاص طور سے پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسلمانوں کے طرز معاش و لباس سے لے کر ان کے بود و باش اور عقیدہ و فکر کا کوئی پہلو ایسا نہیں بچا جو ہندوتو کی سیاست کے زیر اثر شدید طور پر متاثر نہ ہوا ہو۔ لیکن اس سے زیادہ سنگین پہلو یہ سامنے آیا کہ مسلمانوں کو عوامی اور سیاسی زندگی سے الگ تھلگ کر دینے کی مہم چلائی گئی اور بڑی حد تک ہندوتو کی سیاست اس میں کامیاب بھی رہی۔ 2014 کے انتخاب کے بعد نئی وزارت عظمیٰ کے پہلے دور میں تو خود بعض مسلم مفکرین و دانشوران فرقہ پرستوں کے مسلم مخالف پروپیگنڈوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے کمیونٹی کو یہ مشورہ دینا شروع کر دیا کہ وہ اپنے حق رائے دہی تک سے دستبردار ہو جائیں تاکہ وہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے حملوں کی زد میں نہ آئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا مشورہ تھا جس میں خوف کی گہری نفسیات اور مسلم عوام میں موجود طول نفسی سے عدم واقفیت کا نتیجہ تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے دھمکی آمیز پروپیگنڈوں اور غیر دستوری بلکہ غیر اخلاقی مسلم مخالف بیانیہ کا اثر ملک کی

اپوزیشن پارٹیوں پر نہیں پڑا۔ 2014 کے عام انتخاب میں ناکامی کے اسباب کا پتہ لگانے کے لیے کانگریس پارٹی نے جب اے کے انٹونی کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی تھی تو بہت واضح الفاظ میں اس کمیٹی نے پارٹی کی ناکامی کے اسباب کو مسلمانوں کے سر منڈھنے کی کوشش کی تھی اور یہ کہا تھا کہ کانگریس پارٹی کو مسلمانوں کی پارٹی باور کرانے میں بی جے پی کامیاب ہوگئی تھی اور اسی لیے پارٹی کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔ حالانکہ سیاسی مبصرین اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اس وقت کی کانگریس میں داخلی انتشار اور پالیسی پیرالیسس کو اس کی شکست میں زیادہ دخل تھا۔ کانگریس پارٹی اس معاملہ میں اکلوتی پارٹی نہیں ہے جس نے اپنی شکست کے لیے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرایا ہو۔ بہوجن سماج پارٹی کی مایاوتی بھی ماضی میں اس قسم کی رائے کا اظہار کر چکی ہیں۔ اس کی مزید مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ دراصل تشدد پسند ہندوتو اور فرقہ پرستی پر مبنی سیاست کے مقابلہ میں اپوزیشن پارٹیوں کا اس طرح کمزور پڑ جانا اور شہریوں کے اسی طبقہ کو مورد الزام ٹھہرانے کی غلطی کر بیٹھنا جو برسر اقتدار پارٹی کے نشانہ پر ہو، ایک کامیاب جمہوریت کی علامت نہیں مانا جائے گا۔ ان پارٹیوں کو چاہیے تھا کہ وہ ملک کی اقلیتوں بالخصوص مسلم اقلیت کے جائز دستوری حقوق کے تحفظ کو یقینی بناتیں اور جس محاذ پر بیجا ڈھنگ سے انہیں نشانہ بنایا جا رہا ہے، وہاں ان کا دفاع کرتیں۔ لیکن اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اپوزیشن پارٹیوں نے بھی پوری خود اعتمادی کے ساتھ اپنا یہ کردار نہیں نبھایا۔ اس کے باوجود بھی ملک کی مسلم اقلیت نے نہایت اعلیٰ ظرفی، ہوشمندی اور سیاسی پختگی کا ثبوت دیا اور فرقہ پرست طاقتوں کے اشتعال انگیز بیانات یا ان کے ذریعہ کیے گئے حملوں سے طیش میں آ کر کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے فرقہ پرستوں کے مقاصد پورے ہوتے۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے پورے ملک میں قابل ستائش صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور اپنے مسائل کے حل کے لیے دستور کی روشنی میں کوششیں شروع کر دیں۔ یہ فرقہ پرستی پر مبنی سیاست کا نقطۂ ابال تک پہنچ جانے کا ہی نتیجہ تھا کہ اس کمیونٹی کی خواتین نے زبردست سیاسی بصیرت اور پرامن سیاسی احتجاج کی ایسی مثال قائم کر دی کہ شاہین باغ تحریک کا نام مزاحمت کی علامت کے طور پر دنیا بھر میں جانا گیا۔ ان تلخ تجربات نے مسلم کمیونٹی میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے بجائے اس کے اندر اپنے سیاسی، اقتصادی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی حقوق کے دفاع کی خاطر دستوری لڑائی لڑنے کا شعور پیدا کر دیا۔ اس کا اثر 2024 کے عام انتخاب میں بھی عام طور سے نظر آیا۔ مسلمانوں نے بڑی ہوشمندی سے اپنے اندرونی اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے اور چھوٹی بڑی تمام مسلم تنظیموں نے اپنی اپنی سطح پر کمیونٹی کی رہنمائی کا قابل عمل لائحہ تیار کیا ہے اور بہت حد تک ان کے نفاذ کی کوشش کی ہے۔ مسلم سیاسی پارٹیوں نے بھی اس بار مسلم ووٹوں کو منتشر ہونے سے بچانے کی قابل تعریف کوشش کی ہے اور گزشتہ برسوں والی سیاسی افراتفری ان کے درمیان مفقود رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تمام تر الزامات کے باوجود اس ملک کے سیکولر کردار کو بحال رکھنے میں مسلمانوں نے ہمیشہ کی طرح اپنا کام بحسن و خوبی انجام دیا ہے اور کسی بھی طرح کے منفی ردعمل سے خود کو بچائے رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ پرست سیاسی پارٹی اور اس کے اعلیٰ لیڈران میں ایک درجہ کی جھنجھلاہٹ بلکہ بدحواسی پائی جاتی ہے اور وہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ فرقہ واریت کی بنا پر کس طرح سے ووٹوں کی تقسیم کا کھیل کھیلا جائے۔ اگرچہ 18 مئی کو ''دی انڈین ایکسپریس'' میں شائع لال منی ورما کے تجزیاتی مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح سے لگاتار مسلمانوں کی سیاسی نمائندگی کو گھٹانے میں تمام سیاسی پارٹیاں یکساں طور پر شریک ہیں اور مسلمانوں کو سیاسی اچھوت بنانے کی عملی کوششیں کی جا رہی ہیں لیکن اس کے باوجود اس ملک کی مسلم اقلیت نے مایوسی کا دامن نہیں تھاما ہے اور پختہ سیاسی شعور کا ثبوت دیتے ہوئے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ ان سیاسی پارٹیوں کا ہاتھ مضبوط کیا جائے جو دستور ہند اور اس کی روح کی حفاظت کا کام کرنے کا عزم رکھتی ہیں۔ یہاں پر مسلم سیاسی پارٹیوں کو یہ بات پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ خود کو ایک مضبوط سیاسی قوت بنانے کی سنجیدہ کوشش ضرور کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ زمین پر اتر کر اپنے تنظیمی ڈھانچہ کو مضبوط بنائیں، اپنے سیاسی موقف کو واضح کریں اور مستقبل کے لائحہ عمل کو قابل نفاذ بنانے کے لیے مطلوب وسائل کو حکمت عملی کے ساتھ استعمال کرنے کا خاکہ پیش کریں تاکہ ان کو ایک سنجیدہ سیاسی قوت کے طور پر دیکھا جا سکے اور ملک کے عوام میں ان کو مقبولیت حاصل ہو۔ اس محاذ پر مسلم سیاسی پارٹیاں بہت کمزور نظر آتی ہیں اور اسی لیے ان کو سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا ہے۔ ان کا کوئی واضح منشور بھی نہیں ہوتا جس سے پتہ چلے کہ وہ کیا متبادل پیش کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس مواقع موجود ہیں۔ اگر وہ سماج کے کمزور طبقوں اور مختلف اقلیتوں کے مسائل کو مسلم مسائل کے ساتھ کامیابی کے ساتھ ضم کریں اور ان کے حقوق کے تحفظ کا ایک موثر خاکہ پیش کریں اور پھر انہیں ایک نئی سیاسی قوت میں تبدیل کر لیں تو اس کا پورا امکان ہے کہ وہ ایک بہترین متبادل کے طور پر ابھر سکتی ہیں۔

(مضمون نگار روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر ہیں)

editor.nizami@gmail.com

> گزشتہ ایک دہائی کے اندر جو بدلاؤ ملک عزیز کی سیاست میں آیا اور تشدد پسند ہندوتو کے زیر اثر پورے ملک کے مزاج اور رویہ میں جو ناقابل یقین تبدیلیاں پیدا ہوئیں ان کے پیش نظر وثوق کے ساتھ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ ہندوستان کی جمہوریت کو آج بھی عالمی سطح پر وقار کا وہی درجہ حاصل ہے جو 2014 سے قبل کے برسوں میں حاصل تھا۔

تپتے جزیروں بنتے شہروں میں جینا محال

پنکج چترویدی

تجزیہ

دہلی سے دہرہ دون کا فضائی فاصلہ بمشکل 200 کلومیٹر ہے اور وہاں کا درجۂ حرارت مسلسل 41 ڈگری سیلسیئس سے تجاوز کر رہا ہے۔ پھر دہلی کو تو 45 سے آگے جانا ہی ہے۔ جب ملک اور دنیا گرمی میں تپتے تھے تو سکون کی تلاش میں لوگ ہماچل پردیش میں آتے تھے۔ اس سال برف سے ڈھکی اس ریاست کے 9 اضلاع میں درجۂ حرارت 42 ڈگری سے متجاوز ہے اور حکومت نے وہاں لو کا انتباہ دے دیا ہے۔ 20 مئی، اتوار کو اونا کا زیادہ سے زیادہ درجۂ حرارت 44.2 ڈگری سیلسیئس ریکارڈ کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہمیر پور کے نیری کا درجۂ حرارت 44.1 ڈگری سیلسیئس تھا۔ ریاست کے میدانی علاقوں میں گزشتہ چار دنوں سے درجۂ حرارت 40 ڈگری سیلسیئس سے اوپر ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ غور سے دیکھیں تو یہ تپتے ہوئے شہر وہ ہیں جہاں تیزی سے شہر کاری ہوئی۔ جب ہماچل کا یہ حال ہے تو پھر پنجاب-ہریانہ کا درجۂ حرارت 45 سے متجاوز ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ توجہ دیں تو معلوم ہوگا کہ جن مقامات پر غیر فطری طور پر درجۂ حرارت میں اضافہ ہوا، وہاں کنکریٹ کے جنگلات لگانے میں معاشرہ سب سے آگے رہا ہے۔ جان لیں کہ بڑھتی ہوئی آبادی والے شہروں میں درجۂ حرارت میں اضافہ نہ صرف جسمانی صحت کے لیے مضر ہے بلکہ اپنے ساتھ کئی اور مسائل بھی لے کر آتا ہے۔ دہلی سے ملحقہ غازی آباد کے سرکاری اسپتال میں گزشتہ پندرہ دنوں سے چڑچڑے پن اور چکر آنے والے مریض بڑی تعداد میں آ رہے ہیں اور یہی نہیں سڑکوں پر لڑائی جھگڑے بھی بڑھ رہے ہیں۔ کام کرنے میں مشکلات کے باعث ایک طرف آمدنی کم ہو رہی ہے تو دوسری طرف بجلی اور پانی کے استعمال میں اضافے سے نہ صرف آمدنی بلکہ بچت بھی متاثر ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے حصے میں صدیوں سے گرمی پڑتی رہی ہے لیکن ایک تو اب اس کا دائرہ بڑھ رہا ہے، دوسرا اس کے دن بھی دوگنے ہو رہے ہیں۔ شدید گرمی نے ملک میں گزشتہ 50 سال میں 17,000 سے زیادہ لوگوں کی جان لی ہے۔ 1971 سے 2019 کے درمیان لو لگنے کے 706 واقعات ہو چکے ہیں۔ لیکن گزشتہ پانچ برسوں میں شدید درجۂ حرارت اور لو لگنے کے واقعات نہ صرف وقت سے پہلے ہو رہے ہیں بلکہ ان کی شدت زیادہ دیر تک رہتی ہے، خاص طور پر شہر کاری نے اس موسمی آگ میں ایندھن کا کام کیا ہے، شہر اب جتنے دن میں تپتے ہیں، رات اس سے بھی زیادہ گرم ہوا والی ہوتی ہے۔ جان لیں کہ بے انتہا آبادی والے میٹروپولیٹن شہروں میں بڑھتا ہوا درجۂ حرارت واحد بحران نہیں، اس کے ساتھ بجلی اور پانی کی ڈیمانڈ میں اضافہ اور آلودہ ماحول بھی نیا بحران کھڑا کرتا ہے۔ امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی کے اعلیٰ سائنس دانوں کے ایک مطالعے کے مطابق بڑھتی آبادی اور گرمی کی وجہ سے ملک کے چار بڑے شہرئ دہلی، کولکاتا، ممبئی اور چنئی سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ پوری دنیا میں بنگلہ دیش کا دارالحکومت ڈھاکہ اس معاملے میں پہلے نمبر پر ہے۔ کولکاتا میں بڑھتے ہوئے خطرے کے پیچھے 52 فیصد گرمی اور 48 فیصد آبادی ذمہ دار ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اگر باہری بھیڑ کو روکا نہیں گیا تو درجۂ حرارت تیزی سے بڑھے گا اور یہ صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ شہروں میں بڑھتے ہوئے درجۂ حرارت کی متعدد وجوہات ہیں، سب سے بڑی وجہ تو شہر کی توسیع میں ہریالی کا کم ہونا ہے۔ اگرچہ دہلی جیسے شہر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی ہریالی کے رقبے میں اضافہ ہوا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس شہر میں لگائے گئے زیادہ تر درخت روایتی اونچے درختوں کی بجائے تیزی سے بڑھنے والی جھاڑیاں ہیں، جو زمین کے بڑھتے درجۂ حرارت کی تباہ کاریوں سے نمٹنے کے قابل نہیں ہیں۔ ''شہری گرمی کے جزیرے'' شہروں کی متعدد خصوصیات کی وجہ سے بنتے ہیں۔ بڑے درختوں کی وجہ سے بخارات کے بننے اور ان کے اخراج کا عمل جاری رہتا ہے جو زمین کے بڑھتے درجۂ حرارت کو کنٹرول کرتا ہے۔ بخارات کا مطلب ہے مٹی، آبی وسائل وغیرہ سے ہوا میں پانی کا بہاؤ۔ بخارات کا اخراج یعنی پودوں کی جڑوں کے راستے مسام کہلانے والے پتیوں کے مہین سوراخوں کے ذریعے ہوا میں پانی کا آنا جانا ہے۔ سڑکوں کے درمیان ڈیوائیڈرس پر لگائے گئے بوگن ویلیا یا اسی طرح کے پودے زمین کو ٹھنڈا کرنے کے قدرتی عمل میں کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔ میٹروپولیٹن شہروں کی فلک بوس عمارتیں بھی اسے گرم کر رہی ہیں۔ یہ عمارتیں سورج کی تپش سے گرمی کو منعکس اور جذب کرتی ہیں۔ مزید برآں، ایک دوسرے کے قریب بہت سی اونچی عمارتیں بھی ہوا کے بہاؤ میں رکاوٹ بنتی ہیں، ٹھنڈک کو روکتی ہیں۔ شہروں کی سڑکیں اس کے درجۂ حرارت میں اضافہ کرنے کی ایک بڑی وجہ ہیں۔ شہر میں سیمنٹ اور کنکریٹ کے بڑھتے ہوئے جنگلات، ڈامر کی سڑکیں اور بلند و بالا مکان بڑی مقدار میں سورج کی شعاعوں کو جذب کر رہے ہیں جس کی وجہ سے شہر میں گرمی بڑھ رہی ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق درجۂ حرارت جتنا بڑھے گا، اتنا ہی گنا بیماریاں بڑھیں گی اور لوگ مریں گے۔ سڑکیں چاہے ڈامر کی ہوں یا کنکریٹ کی، یہ گرمی کو جذب کرتی ہیں اور پھر ماحول کا درجۂ حرارت کم ہوتے ہی اسے خارج کر دیتی ہیں۔ شہر کو خوبصورت اور دلکش بنانے والے کنکریٹ میں گرمی جذب کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے اور یہ گرمی کے ذخیرے کے طور پر کام کرتا ہے۔ مزید برآں، شہروں کے اوپر ماحولیاتی حالات کی وجہ سے اکثر شہری ہوا زمین کی سطح کے قریب پھنس جاتی ہے جہاں اسے گرم شہری سطحوں سے گرم کیا جاتا ہے، تاہم شہروں کو بھٹی بنانے میں انسان بھی پیچھے نہیں ہیں۔ گاڑیوں کے چلنے اور عمارتوں میں لگے پنکھے، کمپیوٹر، فریج اور ایئر کنڈیشنر جیسے بجلی کے آلات بھلے ہی انسان کو سکون دیتے ہوں لیکن یہ شہری ماحول کے درجۂ حرارت کو بڑھانے میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ پھر کارخانے، تعمیراتی کام اور بہت کچھ ہیں جو شہر کو ابال رہے ہیں۔ اگر ان شہروں سے تقریباً 50 کلومیٹر دور کسی قصبے یا گاؤں میں جائیں تو گرمی اتنی شدت سے محسوس نہیں ہوتی۔ گرمی اپنے ساتھ بہت سی بیماریاں لے کر آ رہی ہے، گرمی کی وجہ سے شہر کے نالوں میں پانی کا درجۂ حرارت بڑھ جاتا ہے اور یہ پانی جب ندی میں ملتا ہے تو اس کا درجۂ حرارت بھی بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے ندی کی حیاتیاتی زندگی، جس میں نباتات اور حیوانات دونوں ہیں، کے لیے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جان لیں کہ کسی بھی ندی کو آلودگی سے پاک بنانے میں اس میں موجود حیاتیاتی عناصر کا اہم کردار ہوتا ہے۔ شہروں کی گنجان آبادی وبائی امراض کے پھیلاؤ کا آسان ذریعہ ہوتی ہے، یہاں کا آلودہ پانی یا ہوا اندر ہی اندر انسانوں کو کھاتی رہتی ہے اور بیماروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ملک کے تمام بڑے شہران دنوں کچرے کو ٹھکانے لگانے کے مسئلے سے نبرد آزما ہیں۔ کچرا جمع کرنا اور پھر اسے ٹھکانے لگانا ایک بڑا چیلنج بنتا جا رہا ہے۔ یہ تمام چیلنجز بڑھتے ہوئے درجۂ حرارت میں مزید مشکل ہو جاتے ہیں۔ اگر شہر میں گرمی کی مار سے بچنا ہے تو زیادہ سے زیادہ روایتی درخت لگانے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ شہر کے درمیان سے بہنے والی ندیاں، تالاب، جوہڑ وغیرہ اگر صاف ستھرے اور رواں رہیں گے تو بڑھتی ہوئی گرمی کو جذب کرنے میں یہ کام آئیں گے، دفاتر کے وقت میں تبدیلی، پبلک ٹرانسپورٹ کا فروغ، کثیر المنزلہ عمارتوں کا ماحول دوست ہونا، توانائی کی بچت سمیت کچھ ایسے اقدامات ہیں جو بہت کم خرچ میں شہر کو بھٹی بننے سے بچا سکتے ہیں۔ ہاں، آخری حل تو شہروں کی طرف نقل مکانی کو روکنا ہی ہوگا۔

pc7001010@gmail.com

> گرمی اپنے ساتھ بہت سی بیماریاں لے کر آ رہی ہے، گرمی کی وجہ سے شہر کے نالوں میں پانی کا درجۂ حرارت بڑھ جاتا ہے اور یہ پانی جب ندی میں ملتا ہے تو اس کا درجۂ حرارت بھی بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے ندی کی حیاتیاتی زندگی، جس میں نباتات اور حیوانات دونوں ہیں، کے لیے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جھوٹ کی ایسی ریت چلے گی
سچائی پر حاوی ہو گی
بھینس اسی کی ہوگی اب تو
جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوگی

اقبال فردوسی

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

تلنگانہ میں پارلیمنٹ الیکشن کا اختتام، قیاس آرائیوں کا سلسلہ جاری

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے کہ مصداق حالیہ پارلیمنٹ الیکشن کے پس منظر میں مختلف پارٹیوں کی رسا کشی و بیان بازیوں کے باوجود الیکشن مقررہ تاریخ پر عمل میں آیا۔ صحافتی بیانات سے مختلف دانشور و سیاسی قائدین قیاس آرائیاں کر رہے ہیں کہ فلاں پارٹی فلاں پارٹی کو اکثریت حاصل ہوگی۔ بس دیکھنا یہ ہے کہ کونسی پارٹی کس مقام پر ٹھہرتی ہے۔ عوامی انفرادی دانشمندانہ و سیکولر ذہن اس بات سے اتفاق کرتی ہے کہ نہ صرف تلنگانہ بلکہ سارے ہندوستان میں اگر سیکولر ذہن کی حامل پارٹی حکومت کی باگ دوڑ سنبھالتی ہے تو سارے اقوام امن و چین سے زندگی گذار سکیں نگے اور اپنی اپنی عبادات اپنے اصول کے بنیاد پر عبادات انجام دے سکیں نگے اور اسطرح نفرت کے بازار میں محبت کے کاروبار بھی انجام دے سکیں نگے۔ جس کو انسانیت کی معراج سمجھا جائیگا۔ کاش آج کے اس پر آشوب دور میں اگر بات سمجھ میں آ جائے تو انسانیت کیلئے ایک طرہ امتیاز والا اعزاز سمجھا جائیگا اور ہندوستان جس کی پہچان سیکولزم ہے اپنے چاہنے والوں پر ناز کرتا رہے گا۔

حلیم بابر، تلنگانہ

سعودی عرب اور متعلقہ ملکوں کی ذمہ داری مختلف

مکرمی!

حج کے انتظامات میں بعض امور متعلقہ ملکوں کے ذمہ ہوتے ہیں تو بعض سعودی عرب کے اور دونوں کی مشترکہ کوششوں پر حج کی کامیابی منحصر ہوتی ہے۔ حج کمیٹی کے چیئرمین عبداللہ کٹی کا گزشتہ دنوں ایک چینل کو دیے گئے انٹرویو میں سعودی عرب میں پیش آنے والی تمام پریشانیوں کا ذمہ دار سعودی عرب کو قرار دینا مناسب نہیں ہے۔

حج میں زیادہ تر پریشانیاں حاجیوں کی رہائش اور وہاں کی سہولتوں سے متعلق ہوتی ہیں اور عمارتوں کا انتخاب، اس میں ضروری سہولتوں کی فراہمی انتظام، عمارتوں اور غسل خانوں میں صفائی ستھرائی، اسی طرح فلائٹ کا انتخاب، اس کا کرایہ، حج ٹریننگ، ویکسین لگوانا، مسجد حرام اور مسجد نبوی تک آنے جانے کیلئے ٹرانسپورٹ کا انتظام اور اس سلسلہ کی تمام ذمہ داریاں متعلقہ ملکوں اور ان کے نمائندوں کی ہوتی ہیں۔ مدینہ میں ایئرپورٹ پر امیگریشن اور سامان کی حصولیابی کا کام تو تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہو جاتا ہے لیکن ہوٹل پہنچنے کے بعد کمروں کی تعین میں ہندوستانی عملہ گھنٹوں لگا دیتا ہے جس میں مزید تھکن کے ساتھ تاخیر کی وجہ سے پہلی نماز کی ادائیگی ہی حرم مدنی میں مشکل ہو جاتی ہے۔

جہاں تک سعودی عرب کے ذمہ امور کا تعلق ہے تو اس میں سعودی ایئرپورٹ پر امیگریشن، سامان کی حصولیابی، حجاج کرام کو قیام گاہ تک پہنچانا، مقامات مقدسہ میں وضو و استنجا کی سہولتیں، طواف و سعی کے انتظامات، وہاں صفائی ستھرائی اور بھیڑ کنٹرول کرنا، ایام حج میں مناسک حج کی ادائیگی کیلئے متعینہ اوقات میں وقت کی رعایت کے ساتھ ان کو خاص مشاعر تک پہنچانا، وہاں رکنے اور قیام کے لیے تمام ضرورتوں کی فراہمی اور حج مکمل ہونے کے بعد واپسی کی قانونی خانہ پری کر کے ان کو واپس روانہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام امور سعودی عرب اور وہاں کے ذمہ دار اس قابل ستائش انداز میں انجام دیتے ہیں کہ جس کا اعتراف اس سے فکری اور نظریاتی اختلاف رکھنے والے افراد بھی کرتے ہیں۔

ذکی نور عظیم ندوی
ڈائریکٹر سینٹر فار سوشل اینڈ ایجوکیشنل اویرنیس، لکھنؤ

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار
سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر ضیاء قادری نے سری سیشا سائی انٹرپرائزس' 98/1' کوآپریٹیو انڈسٹریل اسٹیٹ' گاندھی نگر' نزد بالانگر' میڑچل ضلع ملکاجگیری' حیدرآباد۔ 37 میں چھپوا کر اور سہارا منزل' سیکنڈ فلور' سیف آباد' روبرو تلنگانہ سکریٹریٹ' حیدرآباد۔ 63 سے شائع کیا۔
For Sahara India Mass Communication Printed & Published by Zia Qadri, Printed at Sree Sesha Sai Enterprises, 98/1, Co-Operative Industrial Estate, Gandhi Nagar, Near Balanagar, Medchal-Malkajgiri Dist. Hyd-37 and published from Sahara Manzil, 2nd Floor, Opp. TS Secretariat, Saifabad, Hyderabad-63.
گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی ■ Group Editor: Abdul Majid Nizami (editor.nizami@gmail.com) رزیڈنٹ ایڈیٹر: محمد شہاب الدین پاشاہ * Resident Editor: Mohammed Shahabuddin Pasha (shahab_pasha@yahoo.com)
For News HYD.: rassahaurdu@gmail.com, Mob: +91 - 9885226377 / +91-8885226377 ■ Advt.: Email : saharadaily@yahoo.com ■ Advt. National: Email: adsahara@gmail.com Mob: +91-9891773434 / 9899452476
برائے نیوز ارسال واٹس ایپ: 8885226377 -91+ ■ فون نمبر: 42006049 - 040 ■ فیکس : 040-23230323 ■ فون نمبرات سرکولیشن : Circulation: +91- 9866207440 ■ Website :- www.roznamasahara.com ■
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں
جلد: 18 شمارہ نمبر 232 Roznama Rashtriya Sahara (Hyderabad) R.N.I. No-APURD/2007/18610
*اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار